عقائد شناسی:

پروفیسر سید جعفر رضا

اسلامی فرقے

(قسط ۳)

فرقۂ اہل تسنن:

یہ فرقہ مسلمانوں کا سوادِ اعظم ہے، جس کا پورا نام اہل السنّت والجماعت ہے۔ اس نام سے واضح ہوتا ہے کہ اس فرقہ میں سنت نبوی اور جماعت یعنی صحابہ خصوصاً شیخین، دونوں پر اعتماد رکھنا لازمی شرطیں ہیں۔ سنت نبوی اور سنت شیخین کو اسلامی عقیدہ میں اساس بنانے کی اختراع حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کی تھی، جو حضرت عثمان کے سگے بہنوئی تھے اور حضرت عمر فاروق کے بعد قیام خلافت کی شوریٰ کے رکن تھے اور حضرت عثمان کی خلافت قائم کرنا چاہتے تھے، اس لیے انھوں نے ایک ایسی شرط رکھی جو حضرت علی کے لیے قابل قبول نہ ہو۔ انھوں نے حضرت علی سے کہا کہ آپ وعدہ کریں کہ کتاب، سنت رسولؐ اور سنت شیخین (سنت حضرت ابو بکر صدیق اور سنت حضرت عمر فاروق) پر عمل پیرا ہوں گے۔ حضرت علی کا جواب تاریخ کی زینت ہے۔ ''میں کتاب وسنت پر عمل کروں گا، اگر سنت شیخین کتاب وسنت کے مطابق ہے تو الگ سے کسی شرط کی ضرورت نہیں ہوسکتی، میں بھی پابند رہوں گا۔ اگر سنت شیخین کتاب وسنت رسول سے الگ ہے تو کسی مسلمان کو قبول نہیں کرنا چاہیے''![1] حضرت علی خلافت سے محروم ہوگئے اور حضرت عثمان نے السنّت والجماعت کا حلف لے لیا۔ یہ واقعہ ۲۳ھ/ ۶۴۴ء کا ہے اس طرح اسی سال کو فرقہ اہل السنّت والجماعت کے قیام کا سال کہہ سکتے ہیں۔ اور حضرت عثمان ہی اولین اہل السنّت والجماعت ہوئے۔ لیکن یہ نام اس وقت چل نہیں سکا۔

حضرت عثمان کے حامیوں کو 'شیعیان عثمان' یا اموی کہا جاتا رہا۔ البتہ مخالفین اس جماعت کو 'ناصبی' کہتے تھے جس کے معنی باغی کے ہوتے ہیں ۔فرقہ اہل السنّت والجماعت کا نام پہلی بار عباسی خلافت میں منصور کے دور حکومت (۸۰۹۔۷۸۶ء) میں رائج ہوا۔ ۲

فرقہ اہل السنّت والجماعت کی فقہی پہچان قیام خلافت عباسی (۱۳۲ھ/۷۵۰ء) سے قبل نہیں ملتی ، حالانکہ اس وقت دیگر اسلامی فرقوں میں اہل تشیع، خوارج ، مرجئہ اور معتزلہ نہ صرف یہ کہ وجود میں آچکے تھے بلکہ ان کے درمیان مختلف ومتنوع فقہی مسائل ومباحث پر گرما گرم بحثیں جاری تھیں۔فرقہ اہل السنّت والجماعت کے فقہی موسس امام اعظم ابو حنیفہ (۱۵۰ھ/ ۷۶۷ء) خود ہی اہل تشیع کے تربیت یافتہ تھے، انھیں کے درمیان سے ابھرے اور خاندانی طور پر اہل تشیع میں سے تھے۔ ابن خلکان نے ان کا نام ونسب یہ بتایا ہے: نعمان بن ثابت بن زوطی بن ماہ۔ ۳ زوطی لقب اور نعمان نام بتایا ہے۔ زوطی جاٹ کی تعریب ہے۔ اسی بنیاد پر کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ ہندی الاصل تھے۔ زوطی حضرت علی کے ہدیہ گذاروں میں تھے ۴ امام ابو حنیفہ کے "والد کا انتقال صغرسنی میں ہوگیا اور اس کے بعد ان کی والدہ نے امام جعفر صادق سے نکاح کرلیا۔ لہٰذا ان کی تربیت امام عالی مقام کی نگرانی میں ہوئی۔" ۵ خلافت عباسی نے کوفہ کو دار الخلافہ قرار دیا تو اس سے اہل تشیع اپنا ایک مرکز کھو بیٹھے۔ ان میں سے اکثر لوگ تقیہ میں چلے گئے۔ اور بعضوں نے عباسیوں کی ہم نوائی شروع کردی۔ امام جعفر صادق (م: ۱۴۸ھ/ ۷۶۵ء) کے شاگردوں میں امام ابو حنیفہ کے علاوہ امام مالک بن انس ، سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری ، شعبہ بن حجاج ، فیصل بن عیاض وغیرہ استاد سے الگ ہوکر اپنے اپنے فقہی افکار میں ممتاز ہوکر الگ الگ دبستانوں کے بانی قرار پائے۔فرقہ اہل السنّت والجماعت کے عقاید اور اصول دین کی تاسیس امام ابو حنیفہ کے ہاتھوں سر انجام ہوئی۔ مولانا ابو الاعلیٰ مودودی بھی تسلیم کرتے ہیں : "امام ابو حنیفہ پہلے شخص ہیں ، جنھوں نے فقہ الاکبر لکھ کر ان مذہبی فرقوں کے مقابلہ میں عقیدہ اہل السنّت والجماعت کو ثبت کیا۔" ۶

گذشتہ صفحات میں ذکر آچکا ہے کہ فرقہ اہل تشیع اور فرقہ اہل تسنن کے مابین اصل اختلاف نص امامت وخلافت پر ہے، پھر دیگر اہم سوال اٹھتے ہیں۔ مثلاً ایمان کی تعریف، ایمان وکفر کے درمیان تفریق، گناہ کے اثرات ونتائج وغیرہ۔ چونکہ امام ابوحنیفہ شیعیت کی راہ سے سنیت کی جانب گئے تھے لہٰذا موصوف کے افکار وعقاید پر مفاہمتی رجحان غالب ہے۔ اسی مفاہمتی رجحان کے تحت اہل تشیع ، خصوصاً مسلک امامیہ، کی جانب نصف سے زیادہ راہ مسافت طے کر کے آئے۔ آئمہ اہل بیت کی بزرگی وعظمت قبول کی۔ حضرت علیؓ کو زیادہ محبوب رکھا۔ یے ارکان دین مسلک امامیہ کی طرح رکھے حتیٰ کہ نماز میں درود وسلام محمد وآل محمد پر ختم کیا، نہ اس میں اصحابہ شامل ہوئے، نہ ازواج۔ ۸ حضرت عثمان کو حضرت علیؓ پر ترجیح نہیں دیتے تھے۔ ۹ محض اولین دو خلافتوں کے حق مان لینے پر مکمل مفاہمت ہوسکتی تھی۔ لیکن اہل تشیع کا معاملہ مختلف تھا۔ وہ اپنی جگہ سے جنبش نہ کرسکتے تھے، نہ انھوں نے کیا ع! اگر زمام اختیار ہاتھ میں ہوتی تو وہ بھی آگے بڑھتے لیکن ان کے نزدیک امامت یا خلافت کی نص کے لیے جمہور کی رائے کو دخل نہیں ہوسکتا۔ وہ تو منصوص من اللہ ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ منتخب نہ کرے، اس کو منتخب کرنے والے یا اس کے حق پر ہونے کی گواہی دینے والے اہل تشیع کیونکر ہوسکتے تھے۔ بس اتنے پر معاملہ رک گیا۔ مسلک زیدیہ نے اسے قبول کرلیا تو اہل تسنن نے انھیں گلے سے لگالیا۔

حضرت علیؓ اور ائمہ اہل بیت کے متعلق امام ابوحنیفہ کی یہ محض ذاتی رائے نہیں تھی بلکہ اسی کو اہل تسنن کا اجماعی عقیدہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ چند انتہاپسندوں سے قطع نظر ہنوز اہل تسنن حب علیؓ واہل بیت کو شرط ایمان مانتے ہیں:

من علیؓ را دوست دارم خلق گوید رافضی
پس خدا و مصطفیٰ جبریل باشد رافضی

یہ محض شاعرانہ خیال نہیں ہے امام شافعی کے مشہور شعر پر مبنی ہے:

ان کان رفضاً حب آل محمد
فاشهد الثقلان انی رافض

(اگر آل محمد کی محبت کا نام رافضیت ہے تو انس وجن گواہ رہیں کہ میں رافضی ہوں)

اسی خیال کو مولانا ضیاء احمد بدایونی نے اردو قالب عطا کیا ہے:

گر رفض ہے یہی کہ محبّ علیؑ ہوں میں
جن وبشر گواہ رہیں رافضی ہوں میں

اس میں شک نہیں کہ حب علیؑ واہل بیت ہی وہ اساسی نکتہ ہے، جس کی معنویت نہ صرف یہ کہ ہنوز برقرار ہے بلکہ اس نکتہ پر وحدت اسلامی کا خواب شرمندہ تعبیر ہوسکتا ہے۔

مجموعی اعتبار سے اہل سنت والجماعت کے عقاید وافکار کے دو طور ہیں۔ اصول دین میں الاشاعرہ کی پیروی اور فروع (ارکان) دین میں مسالک (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) میں سے کسی ایک کی پیروی۔ انھیں بنیادوں پر اہل تسنن کے مختلف مسالک جزوی اختلافات کے باوجود ہنوز عمل پیرا ہیں۔

اولاً، خلفائے راشدین کے بارے میں:

خلافت یا امامت کو جمہور کی رائے کا پابند بنانے کی صورت میں کئی بنیادی مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً خلیفہ کی تقرری کا آئینی طریقہ کیا ہوگا؟ اہلیت خلافت کی شرائط کیا ہوں گی؟ فاسق وظالم خلیفہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟ عدلیہ وانتظامیہ کا معیار کیا ہوگا؟ ان کے درمیان کن بنیادوں پر توازن قائم ہوسکتا ہے۔ بیت المال کے قوانین وغیرہ پھر دوسری نوعیت کے مسائل بھی تھے۔ اگر کسی کی خلافت صحیح نہیں ہو یا مشکوک ہو تو اس کے فیصلے قانون اسلامی کا جز قرار پائیں گے یا نہیں؟ اس کے فیصلوں کو قانونی نظائر میں شمار کیا جائے گا یا نہیں؟ اگر اس کا کردار وعمل عدل وانصاف کے منافی ہے تو اس شخص کے ذریعہ رسول اللہؐ کے جو احکامات منقول ہوئے، ان کو کہاں تک پایہ اعتبار، حاصل ہوگا؟

اہل تسنن میں خلیفہ کی تقرری کا آئین کیا ہو، دشوارترین مسئلہ ہے۔ کیونکہ ہر بار الگ الگ اصول کے مطابق خلیفہ کا تقرر ہوا۔ خلافت اول کا انعقاد جمہور پر ہوا۔ حضرت ابو بکر صدیق (: ۱۳ھ، ۶۳۴ء) اتفاق جمہور کے اتنے پابند رہے کہ چھ ماہ تک فیصلے کرنے سے اس وقت تک رکے رہے جب تک اہل یمن کی بیعت نہ آگئی۔[10] لیکن انھوں نے اپنے بعد انتخاب خلیفہ کا حق جمہور کو عطا کرنے کے بجائے، اپنی خلافت کے محرک اور دست راست حضرت عمر بن خطاب کو جانشین مقرر کر دیا۔ جمہور نے نامزدگی کے بعد بیعت کی۔ انتخاب میں جمہور کو دخل نہ تھا۔ حضرت عمر فاروق نے انتخاب خلیفہ کا حق نہ جمہور کو عطا کیا، نہ کسی کے حق میں وصیت کی بلکہ اس کا فیصلہ ایک شوریٰ مقرر کر کے، اس کے سپرد کر دیا۔ اس طرح تیسری خلافت ایک نئے اصول کے مطابق قائم ہوئی۔ اگر اس شوریٰ کا قیام جمہور کے ذریعہ ہوا ہوتا، تو اس فیصلہ کو جمہوری قرار دینے کی تاویل ہوسکتی تھی لیکن اس بار فیصلہ یکسر مختلف طریقہ پر ہوا، عبدالرحمٰن بن عوف نے از خود ایک شرط اختراع کی، کتاب سنت اور سنت شیخین سے متعلق، جس کا ذکر اوپر کی سطروں میں آچکا ہے، چوتھی بار خلافت عالم انتشار میں ہوئی۔ جمہور نے فیصلہ کیا، لیکن یہ فیصلہ یقیناً دباؤ کا فیصلہ تھا۔ باہر سے آکر لوگوں نے دہشت گردی کی، جس کے نتیجہ میں خلیفہ وقت کو جان کھونا پڑی، غالباً اسی بنا پر جب لوگوں نے حضرت علیؑ پر خلافت قبول کرنے کے لئے دباؤ ڈالا تو انھوں نے مسجد میں اعلان عام کی شرط رکھی، مسجد میں مسلمان یکجا ہوئے اور حضرت علیؑ کے ہاتھوں پر بیعت کی۔

ان مختلف ومتضاد اصولوں پر وجود میں آئی خلافتوں کو عصری اکابرین اہل السنّت والجماعت میں مولانا ابو الاعلیٰ مودودی، مولانا ابوالحسن ندوی وغیرہ جمہوریت قرار دیتے ہیں[11] اور جمہوریت کے مسلمہ عناصر کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ جمہوریت عوامی حاکمیت (Popular Sovereignty) کے اصول پر قائم ہوتی ہے جبکہ اسلامی نظام خلافت میں جمہور کے بجائے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت تسلیم کرنا پڑتی ہے۔ خواہ برضا ورغبت، خواہ بجبر واکراہ۔ جمہور کو اپنے تیار

کردہ قوانین کے بجائے الٰہی قانون کے حدود میں کام کرنا ہوتا ہے۔ جمہوری حکومت میں سیاسی فیصلے عوام یا ان کے منتخب نمائندے اکثریت کے اصول پر کرتے ہیں۔ زیادہ تر فیصلے عوام کے منتخب نمائندوں کی کونسل کرتی ہے۔ جس کے لئے منتخب نمائندوں کو جواب دہ ہونا پڑتا ہے۔ جمہوریت یونانی طرز فکر ہے۔ ۱۲

مولانا شیخ اشرف علی تھانوی جمہوریت کو اسلامی افکار میں شامل کرنے کے سخت خلاف تھے، لکھتے ہیں: ”بعض لوگوں کو یہ حماقت سوجھی ہے کہ وہ جمہوری سلطنت کو اسلام میں ٹھونسنا چاہتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلام میں جمہوریت ہی کی تعلیم ہے اور استدلال میں آیت پیش کرتے ہیں کہ وشاورھم فی الامر (اور ان سے خاص خاص باتوں میں مشورہ لیتے رہا کیجئے) مگر یہ بالکل غلط ہے۔ ان لوگوں نے مشورے کی دفعات ہی کو دفع کردیا اور اسلام میں مشورے کا جو درجہ ہے اس کو بالکل نہیں سمجھا۔ ...اور انتظامیہ متعلقہ بالرائے میں کثرت رائے کا ضابطہ محض بے اصل ہے ورنہ عزم میں یہ قید ہوتی بشرطیکہ آپ کا عزم کثرت رائے کے خلاف نہ ہو۔“ ۱۳

انعقاد خلافت میں پہلے اقتدار پر قبضہ ہونا اور بعد میں مسلمانوں سے بیعت حاصل کرنا، دو صورتوں میں ممکن ہے ایک، بزور طاقت اور دوسرے عام رضا مندی سے۔ اہل تسنن میں اس کے دو مکتب خیال ہیں۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک پہلے بزور اقتدار پر قبضہ کرنا، پھر بعد میں دباؤ ڈال کر بیعت لینا جائز نہیں ہوسکتا لیکن امام مالک کے نزدیک خلافت قائم ہوجانے کے بعد جائز ہے۔ ان دونوں صورتوں کی تائید عباسی خلیفہ المنصور (م: ۷۷۵ء) کے حاجب ربیع بن یونس کے بیان سے ہوتی ہے کہ اس نے امام ابو حنیفہ اور امام مالک کو بلا کر پوچھا کہ جو حکومت اللہ تعالیٰ نے اسے عطا کی ہے، کیا وہ اس کا اہل ہے۔ امام ابوحنیفہ نے جان کی پروا کیے بغیر کہا۔ آپ اس طرح خلیفہ بنے ہیں کہ آپ کی خلافت پر اہل فتویٰ سے دو آدمیوں کا اجماع بھی نہیں ہوا، حالانکہ خلافت مسلمانوں کے اجماع اور مشورے سے ہوتی ہے۔ امام

مالک نے دل خوش کن جواب دیا۔ اگر آپ اسکے اہل نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ اپنی خلافت آپ کے سپرد نہ کرتا۔ ۱۴

اہل تشیع کے نزدیک امام کو راسخون فی العلم ہونا چاہیے۔ ۱۵ لیکن اہل تسنن کے نزدیک راسخون فی العلم ہونا ضروری نہیں ہے، البتہ تین دیگر مسائل بحث طلب لاتے ہیں، جو یہ ہیں...... اولاً خلفاء میں أفضل الناس کون ہے؟ ثانیاً، ظالم وفاسق خلیفہ ہوسکتا یا نہیں؟ اور ثالثاً کیا خلافت کے لئے قرشی ہونے کی شرط لازمی ہے؟ أفضل الناس کے مسئلہ پر اہل تسنن کی اکثریت بشمول صوفیہ بعد رسول حضرت علی کے حق میں رہی ہے، جن کے متعلق احادیث واقوال سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔

امام ابو حنیفہ کے اقوال میں راقم کو کہیں بھی کسی دیگر خلیفہ کے أفضل الناس ہونے کا ذکر نہیں ملا بلکہ حضرت علیؓ سے والہانہ شیفتگی کی متعدد مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ ۱۶ البتہ اسی مسلک کے امام طحاوی (م: ۳۲۹ھ/ ۹۳۳ء) أفضل الناس کی ترتیب بہ اعتبار خلافت دیتے تھے۔یعنی پہلے حضرت ابو بکر، پھر حضرت عمر۔ پھر حضرت عثمان اور پھر حضرت علی۔ انھوں نے یہ درج کیا: ”اور یہ خلفائے راشدین وائمہ مہدیین ہیں“ ۱۷ ظالم وفاسق کے خلیفہ ہونے یا نہ ہونے کا مسئلہ خلافت راشدہ کے بعد کے ادوار سے متعلق ہے جن کی اکثریت قرآنی حکم: لاینال عھدی الظالمین (یہ عہدہ امام ظالمین تک نہیں جائے گا۔ البقرہ ۲: ۱۲۴) کی صریحی خلاف ورزی کر کے وجود میں آئی۔

امام ابو حنیفہ نے فرمایا ”مومنوں میں ہر نیک وبد کے پیچھے نماز جائز ہے۔“ ۱۸ اس سے ان پر الزام لگا کہ وہ فاسق وظالم کی امامت کو جائز قرار دیتے ہیں۔ ۱۹ اس پیچیدہ مسئلہ پر حنفی مسلک کے مشہور امام ابو بکر الجصاص نے فتویٰ صادر کیا: ”پس جائز نہیں کہ کوئی ظالم شخص نبی یا نبی کا خلیفہ یا قاضی یا کوئی ایسا منصب دار جس کی بنا پر امور دین میں اس کی بات قبول کرنا لوگوں پر لازم آتا ہے۔ آیت (لاینالُ عھدی الظالمین) اس بات پر دلالت کرتی ہے

کہ دین کے معاملات میں جن لوگوں کو بھی پیشوائی کا مقام حاصل ہو، ان کا عادل اور صالح ہونا شرط ہے۔ امام ابو حنیفہ کہتے ہیں اور صرف امام ابو حنیفہ ہی نہیں، فقہائے عراق میں سے جن لوگوں کے اقوال معروف ہیں، وہ سب یہی کہتے ہیں کہ قاضی اگر خود عادل ہو تو خواہ وہ ظالم امام ہی کا مقرر کیا ہوا ہو، اس کے فیصلے صحیح طور پر نافذ ہو جائیں گے اور نماز ان فاسق اماموں کے پیچھے بھی، ان کے فسق کے باوجود جائز ہوگی۔ یہ مسلک اپنی جگہ بالکل صحیح ہے مگر اس سے یہ استدلال نہیں کیا جا سکتا کہ ابو حنیفہ فاسق کی امامت کو جائز ٹھہراتے ہیں'' ۲۰ امام ابو حنیفہ امام یا خلیفہ کے لئے قرشی ہونا لازمی شرط قرار دیتے تھے۔

عدلیہ وانتظامیہ اور بیت المال کے متعلق اہل السنّت والجماعت کے عقاید امام ابو حنیفہ نے واضح کیے۔ انھوں نے اپنے شاگردوں کو تاکید کی'' اگر کوئی خلیفہ ایسا جرم کرے جو انسانی حقوق کے خلاف ہو تو مرتبے میں اس سے قریب ترین قاضی (یعنی قاضی القضاۃ) کو اس پر حکم نافذ کرنا چاہیئے۔'' ۲۱ ایک دوسرے موقع پر کہا کہ'' امر بالمعروف ونہی عن المنکر فرض ہے اور رسول اسلام کا ارشاد بیان کیا کہ افضل الشہدا ایک تو حمزہ بن عبد المطلب ہیں۔ دوسرے وہ شخص جو ظالم کے سامنے اٹھ کر نیک بات کہے اور بدی سے روکے او اس قصور میں مارا جائے۔ ۲۲ اسی اصول کے مطابق امام ظالم و فاسق کے خلاف خروج (Revolt) کو ضروری قرار دیتے تھے۔ ۲۳ امام ابو حنیفہ کہتے تھے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ابتدآ زبان سے فرض ہے لیکن اگر سیدھی راہ اختیار نہ کی جائے تو پھر تلوار سے کام لینا واجب ہے۔ ۲۴ بیت المال کے معاملہ میں امام ابو حنیفہ سب سے زیادہ اپنے دور کے خلیفہ پر معترض تھے، جنھوں نے بیت المال کو ذاتی خزانہ بنالیا تھا، جس کو اپنے اور اپنے اراکین دربار کی عشرتوں پر صرف کرتے تھے۔ ان کے نزدیک بیرونی ممالک کے ہدیے اور تحفے جو خلیفہ کے پاس آئیں، مومنین کی چیزیں ہیں۔ وہ بیت المال سے خلیفہ کے بے جا مصارف اور عطیات وغیرہ پر سخت تنقید کرتے تھے۔ ۲۵

ظالم وفاسق خلفاء کے فیصلوں کو اسلامی قانونی نظائر میں شمار کرنے کے متعلق اہل سنت والجماعت کے طریقہ کار کی وضاحت امام ابوحنیفہ کے عزیز ترین شاگرد قاضی ابو یوسف (م: ۱۹۲ھ/ ۸۰۷ء) نے کی جو بقول مولانا مودودی: ''ہر معاملہ میں وہ یا تو قرآن وسنت سے استدلال کرتے ہیں، یا پھر نظائر لاتے ہیں تو ابوبکر وعمر اور عثمان وعلی کے دور حکومت سے اور بعد کے خلفاء میں سے اگر کسی کے اعمال کو انھوں نے نظیر بنایا تو وہ المنصور یا المہدی نہیں بلکہ بنی امیہ کے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز ہیں۔ اسکے صاف معنی تھے کہ سلطنت مرتب کرتے وقت انھوں نے عمر بن عبدالعزیز کے ڈھائی سال کو مستثنیٰ کرکے) حضرت علی کی وفات سے لے کر ہارون رشید کے زمانہ تک تقریباً ۱۳۲ سال کی حکومت کے پورے رواج وتعامل کو نظر انداز کردیا۔''۲۶ یہی رویہ ان احکامات رسول اللہ کے منقول ہونے سے متعلق بھی درست ہوگا، جو خلافت راشدہ کے بعد دیگر ماخذ اور روایات کی بنیاد پر پیش کیے گئے، ان کو پایہ اعتبار نہیں حاصل ہوسکتا۔

ثانیاً، صحابہ کرام کے بارے میں:

اس مسئلہ میں اہل السنت والجماعت کا عقیدہ ہے: الصحابہ کلہ عدول'' (صحابہ سب راست باز ہیں) ۲۷ تمام محدثین، فقہا اور علماء کا عقیدہ ہے ہ صحابہ کرام مسلمانوں تک دین اسلام کے پہنچانے کا ذریعہ ہیں۔ اگر ان کی عدالت میں ذرہ برابر بھی شبہ کیا تو دین ہی مشتبہ ہوجائے گا۔ مولانا مودودی کی وضاحت ہے: ''صحابہ کی عدالت کو اگر اس معنی میں لیا جائے کہ تمام صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پورے وفادار تھے اور ان سب کو یہ احساس تھا کہ حضورؐ کی سنت وہدایت امت تک پہنچانے کی بھاری ذمہ داری ان پر عاید ہوتی ہے، اس لیے ان میں سے کسی نے کبھی کوئی بات حضورؐ کی طرف غلط طور پر منسوب نہیں کی ہے تو الصحابہ کلھم عدول، کی تعبیر بلا استثناء تمام صحابہ پر راست آئے گی لیکن اگر اسکی یہ تعبیر کی جائے کہ بلا استثنا تمام صحابہ اپنی زندگی کے تمام معاملات میں صفت عدالت

سے کلی طور پر متصف تھے اور ان میں سے کسی سے کبھی کوئی کام عدالت کے منافی صادر نہیں ہوا، تو یہ ان پر راست نہیں آسکتی۔'' ۲۸

اس وضاحت کا دوسرا نکتہ صحابہ کے معصوم عن الخطاء ہونے سے متعلق ہے جو اہل تسنن کیا کوئی مسلمان تسلیم نہیں کرسکتا بلکہ دوسرا نکتہ کہ، ان میں سے کسی نے کبھی کوئی بات حضورؐ کی طرف غلط طور پر منسوب نہیں کی بھی محل نظر ہے۔ اس کو صحیح مان لیا جائے تو ہزاروں جعلی ووضعی احادیث کے انبار کو قبول کرلینا ہوگا، جو قرآن وسنت سے مطابقت نہیں رکھتیں بلکہ اسلام کے ان جلیل القدر علماء وفضلا کے کارناموں پر پانی پھیر دینا ہوگا، جنھوں نے علم رجال کو مستقل علم کا درجہ عطا کیا اور وضعی وجعلی احادیث کے سنگ خارہ کے درمیان سے موتی سے زیادہ تابندہ اصلی احادیث پہچان کر الگ کرلیں۔

صحابہ کرام کی عظمت وبزرگی ان کے حسن کردار وعمل، تقویٰ اور تقدس کی بنا پر تھی، کسی وصف اضافی کی بنا پر نہیں تھی۔ حضرت علی ان کی تعریف میں فرماتے ہیں: "لقد رایت اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، نما آرای احداً منکم یشبھم لقد کانو یصبحون شعثا غیراً وقد باتواسجدًا وقیاما یدا وحون بین جباھھم وخدودھم ویقفون علی مثل الجمر من ذکر معادھم کان اعیمنھم رکب الممعزی من طول سجودھم اذا ذکر اللہ ھملت اعینھم حتی تبل جیوبھم ومادوا کما یمید الشجر یوم الریح العاصف خوفاً من العقاب ورجاء الثواب'' (میں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاص خاص اصحاب دیکھے ہیں۔ مجھے تو تم میں سے ایک بھی ایسا نظر نہیں آتا، جو ان کے مثل ہو۔ وہ اس عالم میں صبح کرتے تھے کہ ان کے بال بکھرے ہوئے اور چہرے خاک سے اٹے ہوتے تھے۔ جبکہ رات کو وہ سجود وقیام میں کاٹ چکے ہوتے تھے۔ اس عالم میں کہ کبھی پیشانیاں سجدے میں رکھتے تھے اور کبھی رخسار اور حشر کی یاد سے اس طرح بیچین رہتے تھے کہ جیسے انگاروں پر ٹھہرے ہوئے ہوں اور لمبے سجدوں کی وجہ سے ان کی آنکھوں کے

درمیان (پیشانیوں پر) بکرے کے گھٹنوں کی طرح کے گٹے پڑے ہوئے تھے۔ ان کی آنکھوں کے سامنے اللہ کا ذکر آجاتا تھا، تو آنکھیں برس پڑتی تھیں، یہاں تک کہ ان کے گریبانوں کو بھگو دیتی تھیں۔ وہ اس طرح کانپتے رہتے تھے، جس طرح تیز جھکڑ والے دن درخت تھرتھراتے ہیں، سزا کے خوف اور ثواب کی امید میں۔)۲۹

حضرت علی کے خلاف جنگ کرنے والے صحابہ کے متعلق امام ابو حنیفہ کا موقف واضح تھا کہ وہ حضرت کے مقابلہ میں حق پر نہیں تھے۔ ۳۰ اور ظاہر ہے کہ اس میں جنگ جمل وصفین کے شرکاء شامل ہیں۔ ۳۱ حافظ ابن حجر نے بیان کیا ہے کہ یہ تنہا امام ابو حنیفہ کی رائے نہیں تھی بلکہ اس مسئلہ میں تمام اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہوچکا تھا۔ ۳۲ اتفاق آراء اس حقیقت کے پیش نظر خصوصی معنویت کی حامل ہوجاتی ہے کہ اہل تسنن کے عقیدہ کی اساس السنت کی طرح الجماعت پر مبنی ہے اور الجماعت سے مراد صحابہ کرام ہیں۔

ثالثاً، ایمان کے بارے میں:

اس مسئلہ میں اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے دو عناصر ہیں۔ اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب۔ ۳۳ امام ابو حنیفہ وضاحت کرتے ہیں: "عمل ایمان سے الگ ایک چیز ہے اور ایمان عمل سے الگ۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ بسا اوقات مومن سے عمل مرتفع ہوجاتا ہے مگر ایمان اس سے مرتفع نہیں ہوتا۔ مثلاً یہ کہا جاسکتا ہے کہ فقیر پر زکوۃ واجب نہیں مگر یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ اس پر ایمان واجب نہیں۔" ۳۴ اس دلیل کے منطقی مغالطے پر بحث کا موقع نہیں، کیونکہ فقیر پر زکوۃ واجب نہ ہونے کا حکم اسکی معذوری کی بنا پر ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بندہ پر ایسا کوئی حکم نافذ نہیں کرتا، جو اس کے مقدور میں ہی نہ ہو۔

ایمان کے بارے میں قول امام علیؑ بن موسیٰ الرضا ہے: ان الایمان هو التصدیق بالقلب والاقرار باللسان والعمل بالارکان (ایمان دل سے تصدیق، زبان سے اقرار اور اعضاء سے عمل کرنے کا نام ہے۔) ۳۵ اس لیے اہل تسنن کے برعکس عمل بالارکان کے

قائل نہیں ہوتے، اہل تشیع ایمان کے لیے اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب کے علاوہ عمل بالارکان کو لازمی شرط مانتے ہیں۔ ایمان کے معاملہ میں عمل بالارکان کا مسئلہ نزاعی ہوگیا ہے۔ اہل تشیع ہر کلمہ گو کو مسلمان مانتے ہیں لیکن کسی کو مومن قرار دینے کے لئے تینوں شرائط اقرار باللسان، تصدیق بالقلب اور عمل بالارکان کو لازمی مانتے ہیں جبکہ اہل تسنن کے نزدیک ہر کلمہ گو مسلمان ہے اور ہر مسلمان مومن، خواہ اس کے اعمال اسلام کی تکذیب وتضحیک کرتے ہوں۔ اس نظریہ سے فائدہ اٹھا کر ظالم وفاسق خلفائے بنی امیہ وبنی عباس اسلام کے نام پر داغ مانے جانے کے باوجود مومن میں شمار ہوئے اور امیر المومنین کہہ کر مخاطب کیے گئے۔ اہل تسنن کے نزدیک فسق وفجور گناہ ہے، کفر نہیں، کوئی مسلمان کسی گناہ کی بناپر، خواہ کتنا ہی بڑا گناہ ہو، کافر قرار نہیں پاتا، جب تک وہ اس کے حلال ہونے کا قائل نہ ہو۔ اس کا ایمان سلب نہیں ہوتا بلکہ وہ بدستور مومن رہتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ ایک شخص فاسق وفاجر ہو اور کافر نہ ہو۔ ۳۶

امام ابو حنیفہ کا ارشاد ہے: ''امت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گناہگار سب مومن ہیں، کافر نہیں۔'' ۳۷ اہل تسنن کا واضح عقیدہ ہے کہ بندہ خارج از ایمان نہیں ہوتا مگر صرف اس چیز کے انکار سے جس کے اقرار نے اسے ایمان میں داخل کیا۔ ۳۸ اس سے مسئلہ پیدا ہوا کہ فاسق وفاجر دوزخی ہوگا یا نہیں اور اگر وہ دوزخی ہوگا تو کیا دائمی ہوگا یا وقتی۔ ہر مسلمان کو مومن ماننے کے نتیجہ میں ابھرے سوال کا سیدھا جواب نہیں دیا جاتا بلکہ اپنی قبا کو سمیٹ کر کہا جاتا ہے کہ مبادا خون ناحق کے قطرے ان کے کپڑوں کو داغ دار نہ کردیں اور درمیانی جواب دیتے ہیں: ''ہم یہ نہیں کہتے کہ مومن کے لئے گناہ نقصان دہ نہیں ہے اور ہم نہ یہ کہتے ہیں کہ مومن دوزخ میں نہیں جائے گا اور نہ یہی کہتے ہیں کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا، اگر وہ فاسق وفاجر ہو۔'' ۳۹ یا پھر یہ کہتے ہیں: ''ہم اہل قبلہ میں سے کسی کے نہ جنتی ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں نہ دوزخی ہونے کا اور نہ ہم ان پر کفر یا شرک یا منافقت کا حکم لگاتے ہیں، جب تک کہ ان سے ایسی کسی بات کا عملاً ظہور نہ ہو، اور ان کی نیتوں کا معاملہ ہم خدا پر چھوڑتے

ہیں۔'' ۰۶یہی منزل ہے۔ وہ کہیں اور سنا کرے کوئی ! ماننے والا کون ہوگا کہ علمائے اہل تسنّن اہل قبلہ پر کفر یا شرک یا منافقت کا فتویٰ صادر نہیں کرتے۔ دیگر فرقوں کی کون کہے، اہل تسنّن کے مختلف مسالک ایک دوسرے پر تکفیر کا فتویٰ جاری کرتے رہتے ہیں۔

اہل تسنّن میں اہل تشیّع کے برعکس خلافت کا تدریجی سلسلہ نہیں رہا کہ ایک امام کے بعد دوسرا امام مقرر ہوتا۔ چونکہ امامت خلافت کی ملزوم ہوگئی، خلیفہ وقت ہی امام وقت ہوتا۔ اس اصول میں خلافت راشدہ تک (۴۱ھ/ ۶۶۱ء) کوئی عملی دشواری نہ ہوئی ، لیکن اس کے بعد خلافت ملکویت میں تبدیل ہوگئی اور خلفاء کے کردار وعمل شریعت اسلامی سے تجاوز کرنے لگے تو انھیں امامت کا سزاوار نہیں سمجھا گیا، بلکہ شریعت اسلامی کے اہل تسنّن میں چار مختلف دبستان قائم ہوگئے ، جن کو شریعت اسلامی کے چار مصلے بھی کہتے ہیں۔ ان میں امام ابوحنیفہ (۸۰-۱۸۰ھ/ ۶۷۷-۶۹۹ء) کے پیرو حنفی ، امام مالک (۹۵-۱۷۵ھ/ ۹۱-۷۱۳ء) کے پیرو مالکی ، امام شافعی (۱۵۰-۲۰۴ھ/ ۸۱۹-۷۶۷ء) کے پیرو شافعی،اور امام حنبل (۱۶۴-۲۴۱ھ/ ۸۵۵-۷۸۰ء) کے پیرو حنبلی کہے جاتے ہیں۔ ہندوستان میں اہل السنّت والجماعت میں زیادہ تر حنفی العقیدہ مسلمان ہیں۔ ان میں سخت ترین انشعاب ، ہوگیا ہے۔ ان کے مختلف ومتنوع مسالک وجود میں آگئے ہیں مثلاً اہل حدیث ، وہابی، مقلد، غیر مقلد وغیرہ۔ یہ مسالک ایک دوسرے کو تکفیر کے فتووں سے نوازا کرتے ہیں۔

حواشی:

۱۔ ابن الاثیر ابوالحسن الجزری: الکامل فی تاریخ ج ۲ص ۲۸ (حیدر آباد)

۲۔ Syed AmeerAli : The Spirit of Islam p 314(Delhi 1997)

۳۔ ابن خلکان : وفیات الاعیان : ج ۲ ص ۱۶۳ (قاہرہ ۱۸۹۴ء)

۴۔ بدرلادین محمد بن محمود لکردری: مناقب الامام الاعظم ج ۱ ص ۶۶-۵۶ (حیدر آباد ۱۳۲۱ھ)

۵۔ ابوالکلام آزاد: تذکرہ (مرتبہ مالک رام) حواشی ص ۳۸۸ (دہلی ۱۹۹۸ء)

۶۔ ابو الاعلیٰ مودودی: خلافت وملوکیت ص ۲۱۳ (دہلی ۱۹۸۱ء)
۷۔ الکردری: مناقب الامام اعظم ج ۲ ص ۷۲
۸۔ ابو الاعلیٰ مودودی: خطابت ص ۱۵۵ (دہلی ۱۹۹۳ء)
۹۔ ابن عبد البر، الانتقاء ص ۱۶۳ (قاہرہ ۱۹۵۰ء)
۱۰۔ خلافت وملوکیت ص ۲۳
۱۱۔ خلافت وملوکیت ص ۳۳، ابوالحسن علی ندوی: تاریخ دعوت وعزیمت ج ۱ ص ۲۳۰
۱۲۔ Lenin: Selected Works vol 32 P 81(Moscow)
۱۳۔ اشرف علی تھانوی: بیان القرآن تفسیر آل عمران ۳/ ۱۵۹
۱۴۔ مناقب الامام اعظم ج ۲ ص ۶۱
۱۵۔ نہج البلاغہ (اردو ترجمہ مفتی جعفر حسین) خطبہ ۱۴۲ ص ۳۷۹ (لکھنؤ ۱۹۹۶ء)
۱۶۔ مناقب الامام الاعظم ج ۲ ص ۷۲
۱۷۔ ایضاً ایضاً
۱۸۔ ابن ابی العز الحنفی شرح الطحاویہ ص ۱۶۔ ۴۰۳ (مصر ۱۹۵۳ء)
۱۹۔ علی قاری: شرح الفقہ الاکبر ص ۹۱ (دہلی ۱۳۴۸ھ)
۲۰۔ ابو بکر الجصاص: احکام القرآن ج ۱ ص ۸۱۔ ۸۰
۲۱۔ الذہبی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ وصاحبیہ ج ۲ ص ۱۰۰ (مصر ۱۳۶۶ھ)
۲۲۔ الاحکام القرآن ج ۱ ص ۸۱
۲۳۔ احکام القرآن ج ۱ ص ۸۱
۲۴۔ ایضاً ایضاً
۲۵۔ السرخسی، شرح اسیر الکبیر ج ۱ ص ۹۸ (مصر ۱۹۵۷ء)
۲۶۔ خلافت وملوکیت ص ۲۹۴

۲۷۔ ایضاً ایضاً
۲۸۔ ایضاً ایضاً ص ۲۷۹
۲۹۔ نہج البلاغہ (اردو ترجمہ مفتی جعفر حسین) خطبہ ۹۵ ص ۸۸۔ ۲۸۷
۳۰۔ ابن ابی العز الحنفی، شرح الطحاریہ ص ۳۹۷ (مصر، ۱۹۵۳)
۳۱۔ خلافت وملوکیت ص ۲۱۶
۳۲۔ ابن حجر، الاصابہ فی تمیز الصحابہ ج ۲ ص ۵۰۲
۳۳۔ علی قاری، شرح الفقہ الاکبر ص ۱۰۳ (دہلی ۱۲۹ء)
۳۴۔ حسین، الجوہرۃ المنیف فی شرح وصیۃ الامام ابی حنیفہ ص ۷۔ ۶، ۳ (حیدر آباد ۱۹۳ء)
۳۵۔ بحوالہ نہج البلاغہ ص ۲۲۴
۳۶۔ علی قاری، شرح الفقہ الاکبر ص ۸۹۔ ۸۶، المغنیساری، شرح الاکبر ص ۲۸۔ ۲۷
۳۷۔ ابو حنیفہ: عقود الجواہر المنیفہ فی ادلۃ ابی حنیفہ ص ۶ (مصر ۱۳۷۳ھ)
۳۸۔ ابن ابی عز الحنفی شرح الطحاویہ ص ۲۶۵ (مصر ۱۳۷۳ھ)
۳۹۔ مناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ ج ۱ ص ۲۵۔ ۱۲۴
۴۰۔ شرح الطحاویہ ص ۱۳۔ ۲۱۲

☆☆☆☆☆☆☆